پلیٹ میں موجود جلیبیوں کی طرف دیکھتے ہی اسے ایک جھٹکا لگا۔ وہ کچھ پہچانتا کہ وہ اسے شک کرنے کے انداز سے ہی آئی ہے۔

"مس ثمر فاروقی صاحب۔" اس نے بہت بھاری نگاہوں سے دیکھا تو وہ اس سے نظریں چرانے لگی۔

"کب آپ کے جرم ہو چکے ہیں ہم۔ ہمیں کچھ بھی کھلائیں گی تو ٹھیک نہیں کریں گے۔" وہ مصنوعی خوف زدہ انداز میں بولا تو ثمر نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تو زہر بھی ہے۔" وہ شرارتی انداز میں بولی۔

"تو کیا آپ کے پاس خاص زہر دستیاب ہے؟" اس نے شرارتی انداز میں کہا۔

"ہاں۔" وہ اداسی سے بولی۔

"کیا۔" وہ حیرت انداز میں بولا۔

"یہ لیجیے کافی۔" اس نے اس کے ہاتھ میں موجود کافی کے کپ کی طرف اشارہ کیا۔

"کب اس زہر کا کہاں اثر ہونے والا ہے مس ثمر؟ اب صورت بن چکی ہے۔" وہ گہری سانس لے کر بولا تو ثمر شرما گئی۔

"تو تمہیں شرمانا بھی آتا ہے؟" اس نے پلیٹ سے ایک جلیبی اٹھا کر حیرت کا اظہار کیا۔

"تو۔" ثمر نے اداس انداز میں بولی۔

"مجھے تو لگا تھا۔ تم پہلے کی طرح بدتمیز ہو گئی ہو۔"

"ایکسکیوز می۔" اس سے پہلے وہ اپنی بات پوری کرتا اس نے اس کی بات کاٹ دی۔

"وہ میں کچھ بری لگی اور پہنچانی بھی۔" اس نے جلیبی اس کے ہاتھ سے لے کر کافی کے کپ میں ڈبوئی۔

"ہاں تو یہ لو۔ ویسے بھی دل پہ پتھر رکھ کر ہی برداشت کر رہا تھا یہ دعوتیں۔" اس نے شرارت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا تو اندر ہی اندر گدگدایا۔

"تو بس ٹھیک ہے۔ اب پتھر ہی رکھیے۔" وہ منہ بسور کر بولی اور وہاں سے جانے لگی۔

"تو کیا میں یہاں کھڑی ہو کر تمہارا منہ دیکھتا رہوں؟" وہ اسے جاتے ہوئے دیکھ کر بولا۔

"ہاں۔" وہ پلٹ کر بولتے ہوئے [illegible] "نہیں۔"

"ہاں یا نہیں؟" وہ محبت سے مسکرایا۔

"رات بہت ہو گئی ہے مجھے جانا چاہیے۔"

"تو۔" وہ اس کے قریب آیا۔

"رات تو واقعی بہت ہو گئی ہے۔ اب مجھے اپنی صبح کا انتظار ہے ایسی صبح جس میں تمہارا ساتھ ہو۔" اس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تو مسکرا دی۔

"تم نہیں جانتیں کہ کتنی راتیں میں نے [illegible] گزاری ہیں۔ اب ایک [illegible] نہیں مجھے تم چاہیے ہو۔ تمہارا خوب صورت احساس تمہارا خوب صورت ساتھ۔"

"سوچیے۔ کیونکہ یہ صبح میرے ہاتھوں کی لکیروں میں ہی آپ کے نصیب میں ہو گی۔" اس نے جواب انداز میں کہتے ہوئے اسے جھکایا جس پر وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"منظور ہے میڈم۔" وہ سر کو ذرا خم دے کر بولا تو اسے دیکھتے ہوئے مسکرائی۔

بھلے ہی ایک مذاق نے ان کی زندگی کے دو سال چھین لیا تھا لیکن اسی مذاق نے بہت سی زندگیوں کو بھی بچایا تھا۔ جہاں وہ اس مذاق کو "تلخ یاد" کہتی تھی وہاں ثمرین خان کے لکھے گئے ناول کے نام کے مطابق اسے "خوب صورت مذاق" کہا کرتی تھی۔ زندگی کی طرف سے ملنے والا یہ مذاق بھلے ہی بہت گہرا تھا لیکن اس پہ کیا گیا صبر اور اس کا صلہ انہیں اللہ کی طرف سے ایک دوسرے کے ساتھ کی صورت میں مل گیا تھا۔

www.naeyufaq.com

قسط نمبر تیرہ

عہد محبت

آمنہ زویا

میں ایک ایسی لڑکی ہوں
جو سچے خواب دیکھتی ہوں
جو خوشیوں کی قطار رکھتی ہوں
جو محبت کی پیاس [illegible]
جو جھوٹی تسلی دل کے پاس [illegible]
جو وقت کے بدل جانے کی آس [illegible]
جو درد کے مٹ جانے کے خواب دیکھتی ہوں
جو روشنیوں کے دیے کی راہ تکتی ہوں
میں ایک ایسی لڑکی ہوں

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

کہ میں واقف ہوں یہ سب نہ میرے پاس رہے
نہ مجھے راس رہے
پر میں خود کو سنانے کی جرأت رکھتی ہوں
کسی کو راہ دکھانے کی خاطر
کسی کی آس رہ جانے کی خاطر

.....☆○☆.....

خضر کو دیکھ کر وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اس نے اسے انگلی کے اشارے سے چپ رہنے کا اشارہ کیا اور اسے اپنے پیچھے آنے کا کہہ کے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ ہنیہ اس کے متوقع ردعمل کا سوچتی جب وہاں پہنچی تو خضر کو سنجیدگی سے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر ہمت مجتمع کرتی ہوئی بولی۔

"میں آپ کو سب بتاتی ہوں۔"

"میں فائزہ سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا ہوں، امید ہے تم مداخلت نہیں کرو گی۔" خضر نے سرد لہجے میں کہا۔ ہنیہ نے بے اختیار تھوک نگلا۔

"جی مجھے بازار سے بچوں کے لیے کچھ چیزیں لینی تھیں، میں کچھ دیر میں آتی ہوں۔"

"خضر بھائی آپ پلیز اس کی پوری بات سن لیجیے گا۔" اس کے جھجک کے کہنے پہ خضر رکھائی سے بولا۔

"ہنیہ..... آئی سیڈ لیو ناؤ۔" (میں نے کہا تم فوراً چلی جاؤ) وہ مرے مرے قدموں سے کمرے سے اپنا بیگ لے کر خاموشی سے باہر نکل گئی۔ خضر نے قصداً ایک طویل سانس خارج کر کے اپنے حواس مجتمع کیے جو اس انکشاف پہ بکھرنا اٹھے تھے۔ وہ اگلے دن آسٹریلیا جا رہا تھا تاکہ اپنے رشتے کے چچا اور ان کی فیملی کو ہنیہ سے اپنی شادی کے بارے میں بتا سکے۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ لوگ پاکستان آ کر یہ شادی اٹینڈ کریں۔ جانے سے پہلے وہ ان دونوں سے ملنے آیا تھا۔ پارکنگ میں ہی اسے فائزہ سیڑھیاں چڑھتی نظر آ گئی تھی۔ وہ اسے سرپرائز دینے کی غرض سے خاموشی سے اسے فالو کرتے ہوئے گھر تک پہنچا تھا۔ اب یہ اتفاق ہی تھا کہ فائزہ نے اپنے دھیان میں دروازہ بند کیا اور چیک کیے بغیر اندر چلی گئی۔ خضر اس کی لاپروائی پہ مسکراتا اسے سرزنش کرنے کا سوچ کر کچھ لمحوں بعد ہی اندر داخل ہوا تھا، آواز کے تعاقب میں وہ فائزہ کے کمرے تک پہنچا اور پھر فائزہ پہ برہم ہوتی ہنیہ کے الفاظ پہ وہ ساکت رہ گیا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ اس طرح چھپ کر دو لڑکیوں کی گفتگو سننا کس قدر معیوب تھا لیکن وہ دماغی طور سے اس قدر ماؤف تھا کہ ہنیہ کے باہر نکلنے تک بھی وہاں سے ہل تک نہیں سکا تھا اور اب اس کے جانے کے بعد بھی اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے فائزہ سے کیا کہنا تھا۔ اسی اثناء وہ فائزہ کے کمرے کی طرف بڑھا تھا جہاں وہ مضمحل سی اپنی ڈائری پہ سر لگائے بیٹھی تھی۔ آہٹ پہ ہنیہ کا گمان کر کے بوجھل گرفتگی سے بولی۔

"تم ایک بار پھر سوچ لو ہنیہ بلکہ میں تو کہتی ہوں جو جیسا اور جہاں ہے ہونے دو، محبت کھو کر تو اندھا بھی ہوں لیکن بھرم گنوا دیا تو جی ہی نہیں پاؤں گی۔"

"میری محبت، میری انا، میرا بھرم میں تمہیں اتنا خود غرض نہیں سمجھتا تھا۔" اپنی پشت پہ خضر کی آواز سن کے وہ ایک دم سے چونک کر رہ گئی تھی۔

.....☆○☆.....

وہی صفات و خصائل ہیں اور وہی لہجے

یہ لوگ پہلے بھی بھیڑیے رہے ہوں گے

"السلام علیکم تائی جی۔"

"وعلیکم السلام میری جان، کیسے ہو؟"

"جی میں ٹھیک ہوں، وہاں سب خیریت ہے۔"

"ہاں بیٹا، یہاں بھی سب ٹھیک چل رہا ہے۔"

"جی..... تو....." اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیسے پوچھے کہ رات کے اس پہر انہوں نے کیوں کال کی۔ جواباً انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

"آپ سوئیں نہیں اب تک؟" اسے مناسب الفاظ یہی سمجھ آئے تھے۔

"بس بیٹا، کبھی کبھار تو نیند ہے نیند بھی جیسے کسی کال کوٹھری میں چھپ جاتی ہے، اس کا پیچھا کرتے کرتے صبح ہو جاتی ہے پر نیند ہاتھ نہیں آتی۔"

"کیا بات ہے تائی جی، آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" ان کا اداس لہجہ سن کے وہ پریشان ہوا۔

"اس عمر میں بیماریوں سے زیادہ فکریں نڈھال کرتی ہیں۔"

"ایسی کیا فکر ہے آپ کو، آپ کا انداز تو مجھے پریشان کر رہا ہے۔"

"ارے نہیں چندا، میں بھی بس بے وقوف ہوں، اتنی دور بیٹھے تمہیں تنگ کیا، کوئی بات نہیں ہے، میں فون رکھتی ہوں۔"

"تائی جی آپ کیوں تکلف کر رہی ہیں، بے جھجک بتائیے کیا بات ہے۔"

"اب کیا کہوں بیٹا، اپنی تو جیسی تیسی گزار لی، مجھے اب شہزا کی آنے والی زندگی کی فکر ہے۔"

"کیوں اسے کیا ہوا؟" اس نے فکرمندی سے پوچھا۔

"بیٹا اس کے ساتھ کی سب لڑکیاں گھر بار والی ہو گئی ہیں اور یہ ابھی تک ایسے ہی بیٹھی ہے، سوچتی ہوں اگر مجھے کچھ ہو گیا تو اس کا کیا ہو گا، کہاں جائے گی، کیسے رہے گی، کون اس کا سہارا بنے گا؟" ثریا کی رقت آمیز آواز پہ ساتھ بیٹھی شہزا فی الحال سوائے سر دھننے کے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

"اللہ آپ کو لمبی زندگی دے تائی جی، آپ کیا سوچنے لگی ہیں۔ آپ کوئی اعصابی سکون کی دوا کھائیں تاکہ ان منفی خیالات سے چھٹکارا حاصل ہو۔" اسے اس موضوع سے کنی کترا تا دیکھ کر ثریا کے ماتھے پہ بل نمودار ہوئے تاہم لہجہ ویسا ہی سوگوار رہا۔

"نہیں بیٹا تم شاید ایک جوان بیٹی کی ماں کی پریشانی نہیں سمجھ سکتے اور پھر یہ تو بھولی بھی اتنی ہے ورنہ آج کل کی لڑکیاں تو خود ہی اپنا رشتہ ڈھونڈ لیتی ہیں۔ اب ہنیہ کو ہی دیکھ لو، کیسے اپنی پھوپھو کے بیٹے سے چٹ منگنی پٹ بیاہ کر رہی ہے۔"

"ہنیہ شادی کر رہی ہے؟" اس کے لہجے میں بے یقینی کے سائے لہرائے تھے۔

"بیٹا تمہیں نہیں پتا؟ خیر پتا ہو گا بھی کیسے، وہ تو زمانوں بعد پاکستان آیا ہے اور جانے اس نے کیا گیدڑ سنگھی دی کہ سارے معاملات جھٹ پٹ طے ہو گئے۔"

"آپ کو کیسے پتا چلا؟" وریدہ نے آہستہ سے پوچھا۔

"شہزا بچوں کے کپڑے خریدنے بازار گئی تھی ناں، وہیں وہ فائزہ ملی تھی۔ یہ بے چاری تو اسے نظر انداز

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

کر کے اپنی راہ جا رہی تھی، اس نے ہی آ کر بڑے فخر سے بتایا کہ اگلے مہینے ان دونوں کی شادی ہے اور اس کے بعد خیر چھوڑو بیٹا بلاوجہ تمہارا دل کیوں اداس کروں۔"

"کیوں..... ایسا کیا کہا فائزہ نے؟"

"ارے تم کو تو پتا ہے ان لڑکیوں کے دماغ ساتویں آسمان سے نیچے آتے ہی نہیں ہیں اور تم برا مت ماننا، حالانکہ تم منع کر گئے تھے پھر بھی شزا نے کہا کہ ہبیہ سے بولو کہ بچوں سے مل لے پھر تو شاید وہ باہر ہی چلی جائے تو فائزہ نے وہ بدتمیزی کی کہ بس کہنے لگی تمہارے باپ کا گھر نہیں ہے جو ہبیہ کو تمہاری اجازت چاہیے ہوگی، جب اس کا دل کرے گا وہ آئے گی، دیکھتے ہیں اسے کون روکتا ہے اور خضر، دریہ کا ہم پلہ ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ امیر اور رسوخ والا ہے تو ہبیہ شادی کے بعد کیس کر کے بچوں کو دریہ کے قبضے سے چھڑا لے گی، بس بیٹا میرا تو جب سے دل حلق میں ہی ہے کہ جانے اب یہ لڑکی ہمیں کون سا دھچکا پہنچانے والی ہے۔" بارود کے ڈھیر کو تیلی دکھا کر وہ پھر سے معصوم بن گئی تھیں۔ ادھر دریہ نے اتنی سختی سے فون پکڑ رکھا تھا کہ ہاتھ کی نسیں ابھر آئی تھیں۔

"شزا سے کہہ دیجیے جو پابندی میں لگا کر گیا ہوں، وہ کسی قیمت پہ اٹھنی نہیں چاہیے۔ اپنا خیال رکھیے گا، بعد میں کال کرتا ہوں۔" اس نے لائن کاٹ کے فون بیڈ پہ اچھال دیا اور اب زخمی شیر کی طرح کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ غصے، نفرت اور اہانت سے اس کا فشار خون اتنا بلند ہو رہا تھا کہ اس کی سانس پھول رہی تھی۔ وہ آٹھ سال اپنے بھائی سے اس لیے نہیں ملا کہ اسے ہبیہ سے شادی نہیں کرنی تھی، اس نے اپنے باپ کی آخری خواہش تک کی حکم عدولی کی تھی لیکن آج جب وہ خود کسی اور کی زندگی میں شامل ہونے جا رہی تھی تو دریہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ان دونوں کو گولی مار دے۔ اس نے جھنجلا کر مکا دیوار پہ مارا۔

"کیا مصیبت ہے..... وہ کسی سے اور کبھی بھی شادی کرے مجھے کیا؟ میں تو خود اس کے سائے سے بھی بچنا چاہتا تھا تو پھر یہ میرے اندر اتنی کثافت کیوں بھر رہی تھی کہ میں اسے ساری زندگی اپنا منتظر دیکھنا چاہتا تھا؟" ایک خیال آنے پہ وہ ٹھٹکا پھر دوسرے ہی پل نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں..... وہ بھاڑ میں جائے مجھے چنداں فرق نہیں پڑتا۔"

"تو پھر یہ جھنجلاہٹ کس بات کی ہے دریہ ابراہیم؟" اندر سے اٹھتی آواز پہ اس نے دانت بھینچے۔

"پتا نہیں بس ایک بے نام سا احساس ہے جس نے رگ و پے میں بے سکونی سی بھر دی ہے۔" اس نے خود سے اعتراف کیا۔

"اور یقیناً اس کی وجہ وہ لغو گفتگو ہے جو اس نے میرے اور خضر کے متعلق کی ہے۔ مجھے اپنی ساری دولت بھی لٹانی پڑے تب بھی یہ تو طے ہے کہ وہ میرے بچے مجھ سے کسی حال نہیں چھین سکتی۔ دیکھتا ہوں وہ کس عدالت تک جاتی ہے۔" اس نے شدید غصے کی کیفیت میں کہا تھا۔

.....☆○☆.....

وہ تا حال بے خبر تھا
یہ احساس زیاں تھا
دل چاہتا ہے لکھوں کچھ
اس قدر گہرا کہ
پڑھ تو سب ہی پائیں

مگر سمجھو صرف تم

چبھتی نظروں سے خود کو دیکھتے خضر سے بس دو لمحے بھر کو ہی نگاہ ملا سکی تھی۔ دل تھا کہ سینے کے پنجرے میں بری طرح پھڑپھڑا رہا تھا۔ اپنے ہاتھوں کی لرزش چھپانے کو اس نے انہیں باہم ملا لیا تھا۔

"جواب دو، چپ کیوں ہو؟"

"آ..... آ..... آپ کب آئے؟" آواز کی کپکپاہٹ پہ قابو پانا اس کے لیے فی الحال ممکن نہ تھا۔

"جب تم دونوں ایثار و قربانی کی مثالیں قائم کرتے ہوئے میرا تماشا بنا رہی تھیں۔" خضر کے ترش الفاظ پہ اس نے تڑپ کر سر اٹھایا۔

"اتنی حیرانی سے کیوں تک رہی ہو؟ تم دونوں مجھے کسی فالتو سامان کی طرح ایک دوسرے کی جھولی میں ڈالنے کی کوششیں کرتے ہوئے میری انسلٹ نہیں کر رہی تھیں؟" وہ غصے سے ایک قدم آگے آیا تو فائزہ سہم کے بلا ارادہ ایک قدم پیچھے ہوئی۔ خضر کا یہ فیصلہ روپ پہلی بار اس کے سامنے آیا تھا اور اس کی روح فنا ہو رہی تھی۔

"مجھے کیا پلاسٹک کا کھلونا سمجھا ہوا ہے کہ میں نے تمہیں یہ حق دیا کہ میرے جذبوں کی توہین کرو، تم مجھ سے محبت تو کیا میری عزت تک نہیں کرتیں۔"

"جس بات سے آپ انجان ہیں اس کی پیمائش کرنے کی بھی کوشش نہ کریں۔" خضر کے آخری الفاظ نے اس کے بھی صبر کا بند توڑ دیا تھا۔

"مجھے نہیں معلوم آپ نے کیا سنا، کیا نہیں لیکن میں نے ایسا کچھ نہیں کہا جس سے آپ کی تذلیل ہوتی ہو۔ میں کیوں کہوں گی۔ میں ایسا کہہ ہی نہیں سکتی۔"

"مجھے تمہاری کسی بات کا اعتبار نہیں ہے فائزہ، جو لڑکی [illegible] سال میری آنکھوں میں دھول جھونکتی رہی، اس کا کیسے بھروسہ کر لوں؟ میں نے ہبیہ سے بھی پہلے تم سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا، تب بھی تم نے اپنے دل کی بات عیاں نہیں کی بلکہ ہماری شادی کی تیاریوں میں پیش پیش رہ رہی تھیں۔ کون جانے تمہارے اس بھولے چہرے کے پیچھے کتنے چہرے چھپے ہیں بلکہ تمہارے جھوٹ اور دھوکے نے تو تمہارا یہ چہرہ بھی میری آنکھوں میں دھندلا دیا ہے۔ میں تو تمہیں بڑی خالص لڑکی سمجھتا تھا، تم نے تو فریب....."

"میں نے کسی کو فریب نہیں دیا، کسی سے غلط بیانی نہیں کی، میں نے صرف اپنی محبت کا بھرم رکھنا چاہا تھا۔" وہ اس الزام پہ بے اختیار رو دی۔

"نہ کبھی ساتھ رہتے آپ کی آنکھوں میں میرا عکس دکھائی دیتا نہ سالوں کی دوری نے آپ کے دل کو مجھ سے جوڑا تو پھر میں کیوں کہتی آپ سے کچھ اور کیسے کہتی؟ کوئی اندھا بھی بتا سکتا تھا کہ آپ ہبیہ کو بے حد چاہتے ہیں تو میں کیسے آپ دونوں کے بیچ آ جاتی، محبت سب کچھ ہو سکتی ہے، خود غرض کبھی نہیں ہو سکتی، کبھی نہیں ہو سکتی۔" وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے اب پھوٹ پھوٹ کے رو رہی تھی۔

خضر کو اپنی تلخ روی پہ پشیمانی ہونے لگی۔ یہ حقیقت تھی کہ سب جاننے کے بعد اس کے دماغ نے کچھ پل کے لیے جیسے کام کرنا ہی چھوڑ دیا تھا، تب ہی وہ اسے بے نقط سنا گیا تھا لیکن اب خود کو اس کی جگہ رکھ کے سوچا تو وہ اسے سراسر بے قصور بلکہ ایک حد تک مظلوم ہی نظر آئی تھی۔ اس نے تاسف سے سر جھٹکا اور آگے بڑھ کے فائزہ کے ہاتھ چہرے سے ہٹائے۔ آنسوؤں سے اس کا پورا چہرہ تر تھا، آنکھیں رو رو کر سوج رہی تھیں۔ خضر اس کا ہاتھ پکڑ کے صوفے تک لایا اور اسے بٹھا کر اس کے سامنے کرسی رکھ کر بیٹھ گیا۔

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

"اچھا بس کرو، آئی..... آئی ایم سوری۔" اس کے دھیرے سے کہنے کے باوجود فائزہ کے آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔ برسوں سے سینت سینت کے رکھا راز آشکار ہوا بھی تو ایسے کہ اس کے لیے ایک الزام بن گیا تھا۔ خضر کی بدگمانی نے اس کے زخمی دل کو ایسے کھرچا تھا کہ لہو درد بن کے نیندوں کی باڑھ پھلانگ آیا تھا۔

"آپ کو مجھ میں کھوٹ نظر آتا ہے لیکن میں نے بڑے خلوص سے عبادت جیسی محبت کی ہے اور میں تجی داماں رہ جانے کے کرب سے بھی بخوبی واقف ہوں تو پھر میں کیسے آپ کو سب بتا دیتی۔ آپ کو اپنی محبت کا ساتھ ملنے والا ہے۔ آپ یقین کریں نہ کریں میرے لیے یہ بھی بہت خوشی کی بات ہے کہ....."

"اور اگر من پسند ساتھ ملنے کے بعد میں بھی یہی داماں رہ گئی تو؟" خضر کے سوال پہ اس نے الجھ کے دیکھا۔

"ایسا کیوں ہوگا بیٹے، بہت اچھی لڑکی ہے، وہ آپ کو بہت خوش رکھے گی۔"

"پر وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی۔"

"محبت کا کیا ہے، وہ تو شادی کے بعد بھی ہو جاتی ہے..... کوئی چاہنے والا ہم خضر ملے تو محبت کو ڈھونڈنے میں زیادہ وقت نہیں لگتا۔"

"اگر ایسا ہی تو تم نے اب تک شادی کیوں نہیں کی، کیوں ہر رشتے سے انکار کرتی رہی ہو؟" خضر نے فوراً سوال کیا تو وہ بے اختیار نظر چرا گئی۔

مجھے زندگی کی دعا نہ دے
میری زندگی سے بنی نہیں
کوئی زندگی پہ کرے یقین
مجھے زندگی پہ یقین نہیں

.....جاری ہے.....

تائی جی کے فون کے بعد وہ دیر رات تک مختلف سوچوں اور الجھنوں میں گھرا جاگتا رہا تھا۔ جانے کب آنکھ لگ گئی تھی جب ہی صبح اٹھنے میں دیر ہو گئی تھی۔ الارم بج بج کے خاموش ہوئے بھی آدھا گھنٹہ ہو گیا تھا جب وہ اٹھا تھا۔ گھڑی پہ نظر پڑتے ہی اسے افسوس نے آ گھیرا۔

"فجر کی جماعت چھوٹ گئی۔" لیکن ابھی نماز کا وقت باقی تھا۔ اس نے جلدی سے وضو کیا کہ بھلے جماعت نہیں ملی لیکن نماز مسجد میں ہی پڑھے گا۔ وہ تیز تیز قدموں سے مسجد کی طرف جا رہا تھا جب اسے مسجد سے نکلتے دو نفوس کو دیکھ کے جھٹکا سا لگا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں آیا تھا۔ ان دونوں نے بھی اسے دیکھ لیا تھا لیکن فوراً ہی اس سے نگاہ پھیر کے مخالف سمت کی طرف چلنے لگے تھے۔ درید نے اپنے منجمد ہوتے قدموں کو پوری طاقت لگا کے بھاگنے پہ مجبور کیا، وہ ساتھ ساتھ آوازیں دے رہا تھا۔

"بابا..... بھیا..... رکیں میری بات سنیں....." وہ آس پاس کی پروا کیے بغیر چلا چلا کے انہیں پکار رہا تھا لیکن وہ دونوں اسے یکسر نظر انداز کیے چلتے رہے تھے۔ وہ ہانپتا ہوا ان تک پہنچا اور سامنے سے آ کے ان کا راستہ روک لیا تھا۔

"بابا..... میں..... میں آپ کو بلا رہا تھا، آپ رکے کیوں نہیں، بھیا..... میں....." اس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ دونوں واپس کیسے آ گئے تھے لیکن اسے اس سے کچھ غرض بھی نہیں تھی۔ وہ خوش تھا کہ اسے اس کا باپ بھائی دوبارہ مل گئے تھے۔ اس نے فرطِ مسرت سے باپ کا ہاتھ تھاما تھا۔

"بابا..... میں..... میں آپ کو بہت یاد کرتا تھا..... اب آپ آ گئے ہیں تو میں آپ کو کہیں نہیں جانے دوں گا۔" وہ جذباتی سا ہو کے پلٹ کے زید کو تھامنے لگا۔

"بھیا بس سب بھول کے ہم سب ایک ساتھ رہیں گے، ہم....." اس کی بات منہ میں ہی تھی جب ابراہیم صاحب نے اس سے اپنا ہاتھ چھڑایا تھا۔

"میں نے بہت عرصہ تمہاری راہ دیکھی درید، تم نہیں آئے۔ اب مجھے تمہارے ساتھ کی کوئی خواہش نہیں ہے۔" ان کے سپاٹ لہجے پہ وہ سکتے میں آ گیا تھا۔

"میں آیا تھا بابا، میں آ گیا تھا لیکن آپ..... چلیں میں وعدہ کرتا ہوں اب آپ کو چھوڑ کے کہیں نہیں جاؤں گا..... پلیز آپ مجھ سے یوں منہ نہ موڑیں۔" وہ بیچ راستے ان کا ہاتھ پکڑے بیٹھ کر رو رہا تھا۔

"تم نے دیر کر دی درید..... انتظار کے سب ہی چراغ اب بجھ چکے ہیں..... تم میری توقعات پہ پورے نہ اتر سکے..... تم سے ایک ہی تو خواہش کی تھی میں نے لیکن تم..... اپنی انا اور غصے میں تم نے میری اس آرزو کا ذرا بھی پاس نہ رکھا، مجھے اب تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے، چلو زید۔" لاتعلق سے انداز میں کہتے انہوں نے خاموش کھڑے زید کا ہاتھ تھاما تو درید روہانسا ہو گیا تھا۔

"مجھے..... مجھے معاف کر دیں بابا..... میں غصے میں پاگل ہو گیا تھا آپ..... آپ کو نہیں پتا میرے ساتھ کیا کیا ہوا تھا پھر بھی میں اپنی غلطی مانتا ہوں۔"

"تم ایک خواہش پوری نہ کر سکے درید، میری دیرینہ خواہش۔" ابراہیم صاحب تاسف سے دہرا رہے تھے۔

"تم نے میرا مان توڑ دیا..... میرا وعدہ توڑ دیا۔" وہ کہتے ہوئے اس سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ درید نے خوفزدہ سے انداز میں ان کے ساتھ کھنچتے جاتے زید کا دوسرا ہاتھ تھام کے روکنا چاہا تھا۔

"بھیا..... بھیا آپ تو میری بات سنیں، بابا کو منائیں..... میں بہت اکیلا ہوں، پلیز مجھے آپ دونوں یوں نہ دھتکاریں، مجھے آپ لوگوں کی ضرورت ہے بھیا۔" وہ اب باآواز بلند رو رہا تھا۔

"چلو زید۔" ابراہیم صاحب مسلسل زید کا ہاتھ تھامے دور جا رہے تھے، وہ زید کا دوسرا ہاتھ تھامے پیچھے پیچھے گھسٹ رہا تھا جب زید نے مڑ کے پہلی بار اس سے کہا۔

"میں نہیں رک سکتا درید..... تم نے بابا کی بات کا پاس نہیں رکھا لیکن اب جو ذمہ داری تمہاری ہے اس میں کوتاہی نہ کرنا ورنہ تم سے سوال کروں گا۔" اور اس کے ساتھ ہی زید کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھوٹا تھا اور وہ ابراہیم صاحب کے ساتھ دھوئیں کے بادل میں گم ہو گیا تھا۔

"بھیا....." درید ہاتھ بڑھائے بڑھائے ہی چیخا تھا اور اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔

اس نے بستر پہ لیٹے لیٹے ہی اپنا جائزہ لیا، اس کا ایک ہاتھ ہوا میں معلق تھا جیسے کسی کو آواز دے کے روک رہا ہو، پورا جسم پسینے سے شرابور تھا، سانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا۔ خواب کی جزائیات یاد آتے ہی وہ بے قراری سے اٹھ بیٹھا تھا۔ اس نے گھڑی دیکھی۔ ابھی فجر کی نماز کا ٹائم باقی تھا۔ اسے اپنے جسم میں اس وقت اتنی سکت نہیں لگ رہی تھی کہ مسجد تک جاتا سو وضو کر کے گھر میں ہی نماز ادا کی۔ سلام پھیر کے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کے ہمیشہ کی طرح وہ خالی دماغ، ویران دل اور خاموش زبان لیے بیٹھا رہا تھا۔

"شاید میرے دل کی تختی کی سب میں دعا کا قرینہ بھی بھول چکا ہوں۔" اسے پہلی بار خیال آیا، دل اتنا بوجھل

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

تھا کہ وہ بنا کچھ کہے بس ہاتھ پھیلائے بیٹھا رہا۔

"مجھے پھر سے مانگنا سکھا دے۔" کتنی دیر بعد اس کے دل سے صدا نکلی۔ دونوں ہاتھ چہرے پہ پھیرتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ دوبارہ نیند آنے کا تو اب سوال ہی نہیں تھا، طبیعت اتنی مضمحل ہو رہی تھی کہ اس کا دل چاہا وہ آفس نہ جائے لیکن گھر میں اکیلے رہنے کے خیال سے ہی اسے وحشت ہونے لگی، ویسے بھی یہاں کے اس کے سارے کام نمٹ ہی چکے تھے، اس کی پراپرٹی کچھ کم داموں بک رہی تھی تو اس کا ارادہ تھا کہ ایک ڈیڑھ ہفتے رک کے خود ہی اچھے گاہک ڈھونڈے گا لیکن اب وہ جیسے گھڑی کی چوتھائی میں پاکستان واپس جانا چاہتا تھا۔ اس کا اس جگہ سے ایک دم ہی دل اوب گیا تھا۔ اس نے پراپرٹی ڈیلر کو میسج کیا کہ جو بھی ریٹ مل رہے ہوں دو دن میں اس کا فلیٹ اور شاپ بیچ دے۔ آفس کے لیے تیار ہوتے ہوئے اس نے تین دن بعد کی اپنی واپسی کی سیٹ بک کروالی تھی۔ ویسے بھی اس کا آج آفس کا آخری دن تھا۔ رو رو کے اسے خواب میں زید کا کہا گیا جملہ یاد آ رہا تھا۔

"کوتاہی نہ کرنا....."

"نہیں بھیا اس بار آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔" وہ مصمم انداز میں خود کلامی کرتا باہر نکل گیا تھا۔

.....☆O☆.....

سانسوں کا سفر تم سے تم تک ہے
ہاں میری محبت بھی تم سے تم تک ہے
جذبہ عشق سچا نہ ہوتا تو راستہ بدل لیتے
میرے راستوں کا گزر تم سے تم تک ہے

"اس کا دل کوری سلیٹ ہے، آپ کی محبت کا پہلا نقش ہی اسے آپ کا اسیر کر دے گا۔" یہ جملہ کہتے فائزہ کا دل کیسے انگاروں پہ لوٹا تھا وہ ہی جانتی تھی، جواباً خضر چند لمحوں تک اسے دیکھتے رہنے کے بعد ایک گہری سانس لے کے بولا۔

"جب بے حد انتظار کے بعد من چاہی چیز حاصل ہو تو اس کی سرشاری بیان سے باہر ہوتی ہے، میں اتنے طویل اور صبر آزما انتظار کے بعد اسی آس سے آیا تھا کہ اگر ہبہ مان گئی تو مجھے لگے گا جیسے میں نے دنیا کا سب سے قیمتی خزانہ پا لیا ہے لیکن..... سچ کہوں تو اس کے اقرار کے باوجود میں وہ سرشاری محسوس نہیں کر پایا، میں اتنے دنوں سے اسی الجھن کا شکار تھا کہ جب سب کچھ میری مرضی کے مطابق ہو رہا ہے تو دل میں اتنا سناٹا کیوں ہے، من پسند ہمسفر ملنے پہ اس کی سرتال کیوں نہیں بدلی، میرے احساسات کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ساکن کیوں رہا اور مجھے اپنی تمام الجھنوں کا جواب آج مل گیا ہے، جانتی ہو کیا؟" خضر کے استفسار پہ فائزہ نے اپنی سرخ متورم آنکھیں اس پہ ٹکا دیں۔

"کیونکہ اتنے دنوں میں مجھے ایک بار بھی ہبہ کے انداز میں اپنے لیے وہ وارفتگی یا محبت محسوس نہیں ہوئی جس کی مجھے اپنے ہمسفر میں ہمیشہ سے تلاش تھی۔ اس میں اس کا کوئی قصور نہیں، وہ میری عزت کرتی ہے، شاید مجھے بحیثیت انسان پسند بھی کرتی ہے لیکن محبت وہ ابھی اس منزل سے کوسوں دور ہے اور یہی کشش و پیچ مجھے آج یہاں کھینچ لایا تھا۔ حالانکہ شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں پھر بھی میں کل جانے سے پہلے ہبہ سے صاف بات کرنے آیا تھا کہ وہ اگر محض مروت کے تحت اس رشتے میں بندھ رہی ہے تو بنا جھجک مجھ سے کہہ دے اور دیکھو قدرت نے میرے خدشے پہ یقین کی مہر بھی لگا دی۔"

"لیکن آپ..... آپ اس شادی کو روکیے گا نہیں..... آپ..... آپ ہبہ کو چاہتے ہیں، اسے کھو کر آپ خوش نہیں رہ پائیں گے۔" فائزہ اسے زچ سی ہو کے سمجھا رہی تھی، خضر مبہم سا مسکرایا۔

"بات یہ ہے فائزہ کہ میں ایک عام سا انسان ہوں لیکن محبت کے بارے میں ایک اصول پہ سختی سے کاربند ہوں، دل بھی میرا اڑا ہے ضد پہ کسی بچے کی طرح یا تو سب کچھ مجھے چاہیے یا پھر کچھ بھی نہیں۔" وہ ایک شعر میں گویا سب کہہ گیا۔ فائزہ نے چونک کے اسے دیکھا، اس کی آنکھوں سے چھلکتا واضح پیغام وہ جیسے پڑھ کے بھی نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

"آپ جذباتیت میں غلط فیصلہ کر رہے ہیں۔" اس نے نگاہ جھکائی۔

"اوں ہوں، جذباتیت میں غلط ست جانے لگا تھا، اب دل کی آنکھوں سے محبت کے جزیرے کی جانب بڑھ رہا ہوں۔" اس نے اپنے ہاتھوں میں دبے فائزہ کے ہاتھ پہ نرمی سے دباؤ ڈالا تو اتنی دیر میں اسے پہلی بار خضر سے اتنی قربت کا اندازہ ہوا، وہ بے اختیار سٹ کے پیچھے ہوئی، ہاتھ کھینچنے چاہے لیکن مقابل کی گرفت مضبوط تھی۔ بے اختیار اس کی پلکیں لرزیں۔

"اسے نہ پا سکنے کی کسک آپ کے دل کو تڑپاتی رہے گی۔" وہ نا حال متردد تھی۔

"مجھے بن مانگے جو مل رہا ہے ناں، مجھے یقین ہے میری تمام خلشوں کا مداوا ہو جائے گا۔" اس کے معنی خیز انداز پہ فائزہ کا دل جیسے جسم کے روئیں روئیں میں دھڑک اٹھا تھا۔

"لیکن....."

"آہم..... آپ دونوں کی بیس سوالوں کی کسوٹی پوری ہو گئی ہو تو میں اندر آ جاؤں؟" ہبہ کی شوخ آواز پہ وہ دونوں ہی چونکے تھے، فائزہ نے شپٹا کر اپنے ہاتھ کھینچ لیے تھے۔ خضر نے مسکراہٹ ہونٹوں میں دبائی۔

"تمہیں تو میں نے باہر بھیجا تھا؟" کمرے میں داخل ہوتی ہبہ سے اس نے مصنوعی غصے سے پوچھا تو وہ اپنا پرس میز پہ پٹختے ہوئے اطمینان سے بولی۔

"آپ جس موڈ میں تھے مجھے لگا اس بے چاری کی پٹائی ہی نہ کر دیں اسی لیے مدد کو چلی آئی لیکن یہاں تو لگ رہا ہے جیسے دوستی ہو چکی ہے۔" فائزہ کے روئے روئے لیکن شرمیلی سی ہنسی سے دمکتے چہرے کو دیکھتے اس نے شرارت سے پوچھا تو خضر حاضر جوابی سے بولا۔

"کہاں..... ابھی تو ہاتھ ملانے ہی والے تھے کہ تم ٹپک پڑیں۔"

"کوئی نہیں، میں ہاتھ نہیں ملانے والی تھی۔" فائزہ بوکھلا کے بولی تو ہبہ اور خضر نے ایک ساتھ قہقہہ لگایا۔

"چلو اب میں چلتا ہوں، کل کی فلائٹ ہے، چچا جان سے کہہ نہ دیا ہوتا تو سیٹ آگے کروا لیتا کیونکہ ابھی مجھے مہربانی جان سے بھی تو بات کرنی ہے۔" فائزہ کو نگاہوں کے حصار میں لیتے ہوئے اس نے بظاہر ہبہ سے کہا تو حیا کے کتنے ہی رنگ فائزہ کے چہرے پہ بکھر گئے تھے۔

"اس کی آپ فکر نہ کریں، وقت کم، مقابلہ سخت کے تحت میں نے چچی جان کو پہلے ہی سب بتا دیا ہے۔"

"کب.....؟" خضر اور فائزہ کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

"جب آپ دونوں کٹی دوستی کھیل رہے تھے۔" ہبہ کی خوشی اس کے ہر انداز سے چھلک رہی تھی۔ فائزہ نے اسے خضر سے نظر بچا کے گھورا۔

"کچھ مت گھورو، چچی کے سوالنامے کی تیاری کرو جو پہلے تو حیران ہوئیں پھر مجھے ڈانٹ رہی تھیں کہ تم لوگوں

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

نے شادی بیاہ کو مذاق سمجھ رکھا ہے۔" ہنیہ بتاتے ہوئے مزے سے ہنس دی۔ "میں نے تو خضر بھائی کا نام سلجھا کہ یہ ان کا فیصلہ ہے۔"

"ویری گڈ، تم نے تو میرا کام آسان کر دیا، بس اب تم تیاری میں اسپیڈ پکڑ لو، میں وہاں کے کچھ کام نمٹا کے کوشش کروں گا کہ چچا جان کی فیملی کو ساتھ ہی لے آؤں، سے بی مہینہ لگ جائے گا، ممانی جان سے بات کر کے اگلے مہینے کی کوئی ڈیٹ رکھ لیتے ہیں، ایک مہینہ زیادہ تو نہیں ہو جائے گا فائزہ؟" اس نے ہنیہ سے بات کرتے ہوئے اس تیزی سے فائزہ کو مخاطب کیا کہ وہ ہڑبڑا سی گئی۔

"جی..... نن..... نہیں وہ..... پتا نہیں۔" خضر کھل کے ہنس دیا۔

"لو ہنیہ..... تمہاری دوست کی تو بولتی ہی بند ہو گئی ہے۔" اس کے چھیڑنے پہ فائزہ نے لب دانتوں میں دبا کے مسکراہٹ چھپائی۔ ہنیہ ہنس دی۔

"اچھا آپ فوراً کہاں چل دیے، میں مٹھائی لیتی ہوئی آئی ہوں، آپ بیٹھیے میں چائے بناتی ہوں، کل تو آپ چلے جائیں گے، آج باتیں کرتے ہیں۔" اس کے خلوص سے کہنے پہ خضر مان گیا، فائزہ نے موقع غنیمت جان کر کمرے سے نکلنا چاہا۔

"تم تھکی ہوئی آئی ہو، چائے میں بنا لیتی ہوں۔"

"جی نہیں۔" ہنیہ نے اسے واپس کمرے میں دھکیل دیا۔

"رو رو کے بوتھا سجایا ہوا ہے، اب دو گھڑی بیٹھ کر ڈھنگ سے بات بھی کر لو، کل چلے جانا ہے انہوں نے۔" وہ اس کے کان میں باقی جملہ کہتی باہر نکل گئی تو فائزہ پلٹ کے صوفے پہ بیٹھ گئی۔ لمحوں میں اس کی تقدیر نے ایسا پلٹا کھایا کہ وہ اب تک حیران تھی۔ مدت سے جس شخص کے عکس کو اپنی یادوں میں سجائے رکھا تھا، آج مجسم سامنے بیٹھا تھا اور مشتاق بھی تو اس کی زبان گویا تالو سے لگ گئی تھی۔ صلیبیاں تھیں کہ بھیگی جا رہی تھیں، پلکوں پہ حیا کا بار اتنا تھا کہ اشتیاق دید دیار کے باوجود اٹھتی نہ تھیں۔ بس ایک چہرہ تھا جو حال دل کی من و عن عکاسی کر رہا تھا۔ خضر بڑی دلچسپی سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ پڑھ رہا تھا۔

"تو ہماری دوستی پکی؟" اس کے شرارت سے پوچھنے پہ فائزہ ہولے سے ہنس دی۔

"جی۔"

"تو پھر ملاؤ ہاتھ۔" خضر نے جس تیزی سے ہاتھ آگے بڑھایا فائزہ نے گڑبڑا کر اسی تیزی سے ہاتھ دوپٹے میں چھپائے تھے۔ خضر کا قہقہہ بے ساختہ بلند ہوا۔ فائزہ بھی جھینپ کے سرخ ہوئی، کچھ لمحوں کے توقف سے اس نے پوچھا۔

"خوش ہو ناں؟" اس نے گویا تصدیق چاہی، جواباً وہ بنا گلہ ملائے سر اثبات میں ہلا گئی۔

"مجھے یاد کرو گی؟" اس سے پوچھے گئے سوال پہ اس نے ذرا کی ذرا نگاہ اٹھائی اور نفی میں سر ہلایا۔

"کیوں؟" خضر کا چہرہ لمحوں میں پھیکا ہوا۔

"اس کے لیے بھولنا ضروری ہو گا ناں۔" اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ سفر پہ جاتے مسافر کو اپنے الفاظ کی صورت زادِ راہ باندھ کر دے رہی ہے۔ خضر کا چہرہ جگمگا اٹھا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس نے صحیح فیصلہ کیا تھا..... جزیرہ محبت پہ اس کی چاہت کا گھر تعمیر ہو گیا تھا۔

میں تم سے جتنا بھی بھاگتا ہوں

آخر کھلتا یہی ہے

کہ خود

تمہاری ہی طرف بھاگ رہا ہوں

سارا دن دردِ بری طرح ذہنی دباؤ کا شکار رہا۔ پہلے ثریا کے ذریعے پتا چلنے والی ہنیہ کی شادی کی خبر اور پھر خواب میں باپ بھائی کو ناراض دیکھنا اس کے اعصاب کو جھنجھنا گیا تھا۔ وہ جتنا اس خواب کی باریکیاں یاد کرتا اس کا ہنیہ پہ غصہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ غصہ عقل کا کھلا دشمن ہے، یہ انسان کی سوچ پہ بے حسی کی ایسی کائی جما دیتا ہے کہ اسے پھر اپنی غلطیاں نہیں صرف سامنے والے کی خامیاں ہی نظر آتی ہیں۔ دردِ کو اب بھی یہ خیال نہیں آ رہا تھا کہ اس نے اتنے سال باپ کی نافرمانی کی تو وہ ناراض نہیں ہوئے، اسے لگ رہا تھا کہ ہنیہ کہیں اور شادی کر رہی تھی، اس چیز نے اس کے مرحوم باپ کی روح کو تکلیف پہنچائی۔

"چت بھی میری، پٹ بھی میری۔" شاید ایسے ہی لوگوں کے لیے مشہور تھا۔ اس کے اسٹاف نے اس کے لیے ایک فیئر ویل پارٹی ارینج کی تھی، اس کے کولیگ گفٹس لائے تھے، جنٹ نے اس کی بہترین کارکردگی پہ اسے انعام سے بھی نوازا تھا لیکن اس کی طبیعت پہ کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا۔ مسلسل دل و دماغ کسی شکنجے میں جکڑے لگ رہے تھے۔ گھر پہنچ کر بھی وہ کتنی دیر بنا چینج کیے کامن روم میں ہی بیٹھا رہا، اسے لگ رہا تھا جیسے یکایک ہی اس کی ہر چیز میں دلچسپی صفر ہو گئی ہو۔ وہ جس بھی نکتے پہ سوچنا شروع کرتا وہ گھوم پھر کر جانے کیسے ہنیہ کی ذات پہ آ کر رک جاتا تھا۔ اس نے سر جھٹکا، اپنے خیالوں پہ نفرین بھیجی، آنکھیں موند کے سر صوفے پہ ٹکایا تو پلکوں پہ اس کی غصیلی شبیہ اتری تھی۔

"میرے بچوں کو کچھ ہوا تو تمہیں چھوڑوں گی نہیں دردِ ابراہیم۔"

"شٹ اپ اینڈ گیٹ لاسٹ۔" وہ بے قابو ہو کر چلا اٹھا تھا۔

"تم ہوتی کون ہو ان پہ دھونس جمانے والی، وہ میرے بچے ہیں، تمہیں ان کی پرچھائی تک کے لیے ترسا دوں گا۔ آئی ہیٹ یو، مجھے نفرت ہے تم سے سنا تم نے نفرت ہے مجھے۔" وہ چیختے چیختے ایک دم ایسا رکا جیسے کھلونے میں چابی ختم ہو گئی ہو پھر چونک کے اطراف میں دیکھا۔ اس کے چاروں طرف صرف سناٹا تھا۔ خاموش دیواریں جیسے سہم کر اسے دیکھ رہی تھیں اور وہ پہلی بار یہ سوچنے پہ مجبور ہوا تھا۔

"کیا میری تنہائی میرے حواس کو مختل کرنے لگی ہے؟"

☆☆☆

"بڑی بے مروت ہو تم قسم سے، کیا تھا جو ان کے ساتھ چلی جاتیں میرا دم چھلا ساتھ لگانا ضروری تھا۔" خضر کی رات کی فلائٹ تھی تو صبح اس نے ان دونوں کے ساتھ ہی کیا تھا اور اب گھر واپس آ کر ہنیہ فائزہ کو گھرک رہی تھی جواباً اس نے آنکھیں دکھائیں۔

"وہ تمہارے سامنے کچھ لحاظ نہیں کر رہے تھے تو میں پاگل ہوں جو اکیلے جاتی۔"

"لو..... صرف ہاتھ پکڑ کر گجرے ہی تو پہنائے تھے بے چارے نے ایسا بھی کیا کر دیا۔" فائزہ کے سرخ ہوتے چہرے سے محظوظ ہوتی ہنیہ نے بے نیازی سے کہا تو اس نے ایک دھپ لگائی۔

"تمہیں بڑا مزہ آ رہا تھا، شرم سے میری حالت خراب تھی اور تم پکچرز لے رہی تھیں۔"

"ہاں تو میرے بے چارے بہنوئی جی کو ایک مہینے کا کٹھن انتظار کرنا ہے، کم از کم یہ تصویر دیکھ کر ہی ٹائم پاس

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

کرلیا کریں گے۔" اس کے چھیڑنے پہ فائزہ گلنار سی ہوئی۔

"بہت بے شرم ہو تم۔"

"شکریہ۔" ہبیہ نے فخر سے کالر اکڑائے اور دونوں بے ساختہ ہنس دیں۔

"میں تمہارے لیے بہت خوش ہوں فائزہ، مجھے پوری امید ہے تم ظفر بھائی کے ساتھ بہت خوش رہو گی۔"

"ان شاء اللہ۔" وہ شرمیلی سی مسکان ہونٹوں پہ سجائے دھیرے سے بولی پھر جیسے کچھ خیال آنے پہ پوچھا۔

"ارے یہ دو دن اتنی افراتفری میں گزرے کہ میں پوچھنا ہی بھول گئی کہ تم کو بابا نے احمد پیلس کیوں بلوایا تھا، سب خیریت تھی ناں؟"

"نہیں یار..... وہاں بہت برا حال ہے۔ وہ ثریا نامی بلا نے میرے بچوں کا جو حال کیا ہوا تھا یقین کرو میرا دل نہیں چل رہا تھا کہ اس عورت کا گلا دبا دوں۔" ہبیہ نے فائزہ کو ساری تفصیل بتائی تو اسے بھی تاسف نے آن گھیرا۔

"انسانوں کی کون سی قسم سے تعلق رکھتی ہیں، بچوں سے کون ایسا سلوک کرتا ہے یار۔" اس نے حیرانی سے کہا۔

"بھائی وہ تو جو ہیں سو ہیں، قصور تو ان "گارجین" صاحب کا ہے ناں جو نا سمجھ معصوم بچوں کو ان ڈائنوں کے حوالے کر کے چلے گئے۔" ہبیہ بھنا کے بولی۔

"یقین کرو کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے میں اس شخص کے منہ پہ ٹھنڈا پانی پھینکوں، سر پہ ڈنڈے ماروں یا کان کے پاس بھونپو بجاؤں کہ اللہ کے بندے اپنے حواس میں آؤ، اپنی آنکھوں اور اپنے کانوں سے سب دیکھو اور سنو کب تک یہ تائی جی کے ہاتھ کٹھ پتلی بنے رہو گے۔" اس کا چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہو رہا تھا۔

"اچھا..... اچھا اپنا بی پی کیوں ہائی کرتی ہو۔" فائزہ نے اس کا کندھا تھپتھپایا تو اس نے سر جھٹکا۔

"تم اگر دیکھتیں نا کہ کس قدر فضول میلی کچیلی عورت کو وہ ثریا بیگم بچوں کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ کر سیر سپاٹے پہ نکلی ہوئی ہیں تو تمہارا بھی غصے سے یہی حال ہوتا اور وہ بھوری تھی کہ شاید سارے سیاہ و سفید کا اختیار اسے مل گیا ہو، میں نے بھی وہ طبیعت صاف کی کہ خواب میں بھی بچوں سے بدسلوکی کا نہیں سوچے گی۔" ہبیہ نے دانت کچکچائے پھر ایک دم ہاتھ جھٹک کے فائزہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اس سب سے میں نمٹ لوں گی، تم بتاؤ اسلام آباد کب جا رہی ہو، چچی پریشان ہو رہی تھیں کہ اتنے کم ٹائم میں شاپنگ کیسے ہو گی؟"

"وہ..... زیادہ شاپنگ تو کرنی ہے نہیں انہوں نے کہا ہے کہ شادی کے بعد کچھ دن امی کے ساتھ ہی رہ کر پیپر ورک کرائیں گے اور پھر ہم اپنے ساتھ امی کو بھی آسٹریلیا لے جائیں گے۔" فائزہ کے چہرے پہ پرطمانیت مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ ہبیہ کی آنکھیں پھیلیں۔

"یعنی، یعنی، سارا وقت تو میں ساتھ تھی، یہ پلاننگ کب ہوئی کہ مجھے بھنک بھی نہیں پڑی۔" اس کے چٹکی کاٹنے پہ فائزہ کھلکھلائی۔

"سچ پہ۔"

"سچ جا رہے ہو بیٹا تم دونوں۔" اس نے سرد مہر سا ہی اس کے فون پہ کال آئی۔ اس نے احمد پیلس کا نمبر دیکھا تو جھٹ کال ریسیو کی۔

"السلام علیکم بابا۔"

"وعلیکم السلام بیٹا آپ آئیں نہیں؟"

"جی کچھ ضروری کام آ گئے تھے، میں نے آپ کو کال کر کے بتایا تو تھا کہ کل مشی کا ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ بھی ہے تو کل صبح سے ہی آ جاؤں گی۔"

"جی وہ تو مجھے یاد ہے، اصل میں....." وہ رکے تو ہبیہ ٹھٹکی۔

"کیا بات ہے بابا، وہ گلبہار پھر گڑبڑ کر رہی ہے؟"

"نہیں بیٹا، وہ تو صحیح کام کر رہی ہے لیکن مجھے مشعل بے بی کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی، بہت نڈھال ہیں رو بھی رہی ہیں، آپ کو بہت یاد کر رہی ہیں۔"

"اچھا چلیں آپ فکر نہ کریں، میں تھوڑی دیر میں پہنچتی ہوں۔"

"لیکن بیٹا آج موسم صحیح نہیں ہے، خبروں میں بھی آندھی اور تیز بارش کا بتایا ہے، آپ راستے میں پریشان نہ ہو جائیں ایسا کریں آپ بچی سے فون پہ بات کر لیں شاید وہ سنبھل جائیں۔ صبح آ جائیے گا۔"

"نہیں بابا، وہ وہاں رو رہی ہے مجھے یہاں چین نہیں آئے گا ابھی تو بارش ہلکی ہی ہے، میں بس نکل رہی ہوں۔" اس نے لائن کاٹ دی تو فائزہ نے کہا۔

"تم ریڈی ہو جاؤ، میں بھی چلتی ہوں۔"

"نہیں فائزہ بارش میں تم ڈرائیو کرنے کا رسک نہ لو اور پھر واپس تمہیں اکیلے آنا ہے۔ میں کوئی رائیڈ لے کے آرام سے چلی جاؤں گی۔"

"لیکن ہبیہ....."

"ارے یار ڈونٹ وری، میں پہنچ کے تم کال کر دوں گی ٹھیک ہے ناں۔"

"چلو ٹھیک ہے، بی کیئر فل۔"

"اوکے، چلو میں فٹافٹ سامان رکھ کے نکلتی ہوں۔" ہبیہ تیزی سے اٹھ کر بچوں کے لیے لیا ہوا سامان سمیٹنے لگی تھی۔

☆○☆

دنیا مکافات عمل ہے
یہ جان کر بھی
اے انسان
درد دے کر
کتنے سستے میں
پھر درد خریدتا ہے تو

"واؤ شزا تم نے تو اتنے دن کی کسر نکال دی، وائٹ آ گرینڈ پارٹی۔" میوزک کے کان پھاڑ دینے والے شور میں شزا کی سہیلی اس کے کان کے پاس چلا کر کہہ رہی تھی جو باوقار فخر سے ہنس دی۔

"یا آئی مسٹ سے میں نے بڑے عرصے بعد ایسی گیدرنگ اٹینڈ کی ہے۔" اس کے گلاس فیلو نے گلاس اٹھا کر چیئرز کرتے ہوئی کہا تو شزا کی گردن مزید تنی۔

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

سفید لوسی کا لاؤنج اور ڈرائنگ روم اس وقت کسی ڈانس بار کا منظر پیش کر رہا تھا۔ شزا کی عمر کے کئی لڑکے لڑکیاں معاشرتی حدود کی دھجیاں اڑاتے ہوئے بے تکلفی سے ایک دوسرے کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھے، شیشہ پیا جا رہا تھا، کچھ زیادہ ہی مستی میں آ کر کپل ڈانس کر رہے تھے، فاسٹ فوڈ کے لاتعداد ڈبے میز پہ رکھے ہوئے تھے اور ایسا ہی کچھ حال مختلف مشروبات کا تھا۔

ثریا نے اسے دل کھول کے پیسہ دیا تھا کیونکہ وہ اپنے "گیم" میں شزا کے کردار سے بہت خوش تھیں جب ہی اسے پوری آزادی ملی تھی کہ وہ دوستوں کے ساتھ جیسے چاہے انجوائے کرے۔ وہ خود اپنی ہی عمر کی پانچ چھ عورتوں کے ساتھ اندر بیٹھی تاش کھیل رہی تھیں۔

"اُف..... بھئی میرا تو یہ لاسٹ گیم تھا، میں نے مان لیا ثریا کہ تم سے تاش میں کوئی جیت نہیں سکتا۔" سر پہ گنتی کے چار بالوں کو لال ڈائے کروائے ایک خاتون اٹھلا کر بولیں تو ثریا ٹھٹھا مار کے ہنس دیں۔

"چلو اچھا ہے آئندہ تم مجھے ہرانے کی کوششیں تو چھوڑ دو گی..... تاش اور شطرنج میرے خون میں بسے ہیں، جب ہی میں نے آج تک مات نہیں کھائی۔" ان کے لہجے میں غرور صاف جھلک رہا تھا۔ وہ خاتون منہ بنا کر موبائل پہ مصروف ہو گئیں، ساتھ ساتھ سامنے رکھی بڑی سی ٹرے میں سے ڈرائی فروٹ پہ بھی ہاتھ صاف کرنے لگی۔

"پر یہ تو بتاؤ تم اتنے دن سے کہاں غائب تھیں؟" ایک اور خاتون نے ثریا سے پوچھا۔

"میں تو دو تین بار آئی، ہر بار گارڈ نے کہا کہ گھر پہ نہیں ہیں۔" ثریا معنی خیزی سے مسکرائیں۔

"کچھ گڑھے مردے اکھڑ آئے ہیں، انہیں واپس دفن کرنے میں مصروف تھی۔"

"مطلب؟" خاتون نے الجھ کر پوچھا تو ثریا نے ہوا میں ہاتھ ہلایا۔

"چھوڑو کچھ خاص بات نہیں ہے..... تم بتاؤ بیٹی کی شادی کب کر رہی ہو؟"

"ارے اس کی تو بات پکی ہے، میں چاہ رہی ہوں کہ بیٹے کی بھی اس کے ساتھ ہی کر دوں..... اسی سلسلے میں تم سے بات بھی کرنی تھی۔" نخوت نامی ان خاتون نے نخرے جھاڑتے ہوئے کہا تو ثریا چونکیں۔

"مجھ سے؟ ہاں بولو۔"

"بھئی کوئی تمہید نہیں باندھوں گی، مجھے اپنے بیٹے کے لیے تمہاری شزا بہت پسند ہے، رمیز کو تو تم نے دیکھا ہوا ہی ہے اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو ہم باقاعدہ رشتہ لے آئیں؟" ان کی بات پہ ثریا سوچ میں پڑ گئیں۔

"کیا ہوا ثریا..... تمہیں میری بات پسند نہیں آئی؟"

"نہیں..... ایسی بات نہیں۔" وہ سنبھل کر بولیں، اب اپنے دل میں چلتے حساب کتاب سے تو وہ انہیں آگاہ نہیں کر سکتی تھیں جب ہی مبہم سا مسکرائیں۔

"دیکھو بھئی، شزا میری اکلوتی اولاد ہے، بے حد نازوں سے میں نے اسے پالا ہے۔ اس کی زندگی کا فیصلہ بہت دیکھ بھال کر کروں گی۔ رشتے تو اس کے آئے دن اتنے آتے ہیں کہ منع کر کے تھک جاتی ہوں۔" ان کے نخوت سے کہنے پہ نخرے نے بھی جتانا ضروری سمجھا۔

"میرا بیٹا بینک میں بہت اونچی پوسٹ پہ کام کرتا ہے، ایسے رشتے روز روز نہیں ملتے۔"

"ارے میرے دیور کا بیٹا لندن میں سیٹ ہے، وہ شزا سے شادی کے لیے دیوانہ ہوا پھر رہا ہے۔" جھوٹ بولنے پہ اگر ایوارڈ ملتے تو شاید ثریا کے گھر میں ٹرافی رکھنے کو جگہ باقی نہ بچی ہوتی۔ "اس لیے یہ لارے تو مجھے دو نہیں، سوچوں گی، شزا سے پوچھ کے پھر تمہیں بتا دوں گی۔" ان کے ٹکا سا جواب دینے پہ نخرہ چپ سی ہو گئیں۔

باہر ہال میں پارٹی اپنے عروج پہ تھی۔ ہنسی سے نکل کے گھر کے دروازے تک آتی وہ پوری طرح بھیگ گئی تھی۔ داخلی دروازے کے پاس ہی اسے فیضو بابا پریشانی سے ٹہلتے مل گئے تھے۔

"اچھا ہوا بٹیا آپ آ گئیں، مشعل بے بی بہت رو رہی ہیں۔" ان کی آدھی بات سنتے ہی وہ تیزی سے اوپر کی طرف دوڑی۔ نرسری میں گلبہار مشی کو کندھے سے لگائے ٹہلا رہی تھی لیکن وہ دھاڑیں مار مار کے رو رہی تھی۔ مون اسے روتا دیکھ کے خود بھی سہما ہوا سا بلکہ تقریباً روہانسا ہی ہو رہا تھا۔ ہنیہ نے مشی کو اپنی گود میں لیا تو وہ بخار میں بری طرح پھنک رہی تھی۔ ہنیہ نے گلبہار کو ڈانٹا۔

"اتنا تیز بخار ہے، تم نے اسے دوا کیوں نہیں دی؟"

"بی بی جو دوا آپ بتا کر گئی تھیں، میں نے وہ اسے پلا دی تھی، آپ بابا سے پوچھ لیں۔" وہ بوکھلا کر اپنی صفائی دینے لگی تو ہنیہ نے فکرمندی سے مشی کا کملایا ہوا چہرہ دیکھا جو دوا پینے کے باوجود بخار کی حدت سے سرخ ہو رہا تھا۔

"مشی..... میری جان، پلیز رو نہیں، مجھے بتاؤ کہاں درد ہو رہا ہے؟" اس نے روتے ہوئے پیٹ پہ ہاتھ رکھا۔

"مما..... مما..... درد ہے۔" وہ ہچکیاں لے رہی تھی۔ ہنیہ نے گلبہار کو گھورا۔

"اسے کیا کھلایا تھا؟"

"قسم لے لیں بی بی جو کوئی باسی چیز کھلائی ہو..... بے بی تو کچھ کھا ہی نہیں پا رہیں، میں نے کھچڑی بنائی تھی، مون بابا نے کھائی لیکن انہوں نے منہ میں رکھتے ہی الٹی کر دی تھی۔" گلبہار بھی اس کی حالت سے تھوڑی پریشان ہو گئی تھی۔ ہنیہ نے تشویش سے اسے دیکھا۔ بخار چیک کیا تو ایک سو ٹچ سے بھی اوپر تھا۔

"ٹھنڈا پانی اور پٹیاں لے کر آؤ۔" اس کے کہنے پہ گلبہار دوڑی ہوئی اور منٹوں میں ہی واپس آ گئی۔ مون ہنیہ کے دوپٹے سے لپٹا کھڑا تھا۔

"اٹھے کیا ہوا مما..... کیوں رو رہی ہے؟" وہ خوفزدہ سا لگ رہا تھا۔ ہنیہ نے پیار سے اس کے بال سنوارے۔

"طبیعت خراب ہے ناں اس لیے رو رہی ہے، آپ فکر نہیں کرو، ابھی ٹھیک ہو جائے گی..... آپ کو کچھ کھانا ہے جانو؟" اس کے پیار سے پوچھنے پہ اس نے نفی میں سر ہلایا تو ہنیہ نے اسے اپنی گود میں ہی بٹھا لیا اور خود بیڈ پہ لیٹی مشعل کے بال سہلانے لگی جو اب رونا بند کر چکی تھی لیکن درد سے بری طرح نڈھال تھی۔ ہنیہ نے اس کے ماتھے پہ پٹیاں رکھنی شروع کی تھیں، تب ہی بابا اندر آئے۔

"کیسی طبیعت ہے اب؟" ہنیہ نے فکرمندی سے سر ہلایا۔

"بخار بھی ہے، پیٹ درد کی شکایت کر رہی ہے..... بابا آپ ڈرائیور سے کہہ کے گاڑی نکلوائیں، اپائنٹمنٹ کل کا ہے لیکن میں اسے ابھی ایمرجنسی میں ہی دکھا دیتی ہوں۔"

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

"بٹیا..... ڈرائیور تو تین دن کی چھٹی لے کر گاؤں گیا ہوا ہے۔"

"کیا....." وہ جھنجلائی۔

"کس سے پوچھ کر گیا وہ؟ اور اپنی جگہ کسی کو لگا کر بھی نہیں گیا..... اب کہیں جانا ہو تو کون کرے گا یہ سب؟"

"وہ اس نے بڑی بی بی سے اجازت لے لی تھی۔" بابا کے آہستہ سے بتانے پہ ہنیہ نے کوفت سے مٹھیاں بھینچیں۔

"آپ کسی ٹیکسی کا انتظام کروا دیں بابا، مجھ سے اس کی تکلیف اب دیکھی نہیں جا رہی۔" ہنیہ کو مشی کی پھیکی پڑتی رنگت سے جانے کیوں خوف آ رہا تھا۔

"بٹیا باہر طوفانی بارش ہو رہی ہے، سڑکوں پہ پانی کے ریلے بہہ رہے ہیں، ایسے میں ٹیکسی ملنا اور پھر اسپتال جانا خاصا مشکل ہوگا۔" ہنیہ بے بسی سے لب کاٹنے لگی۔

"بس آپ نظر رکھیے، جیسے ہی بارش ذرا ہلکی ہو، مجھے فوراً بتائیے گا میں بھی کوشش کرتی ہوں کوئی رائیڈ بک ہو جائے، ابھی تو سٹیشنز ہی اتنے کم آ رہے ہیں..... آپ جا کر آرام کریں، کوئی ضرورت ہوئی تو آپ کو بلوا لوں گی۔" ان کے جانے کے بعد اس نے بخار چیک کیا تو خاصا کم ہو گیا تھا۔ اس نے اوآر ایس منگوا کے مشی کو پلایا کہ شاید ڈائریا کی وجہ سے اس کے پیٹ میں درد ہو، اسے پی کر بچی تھوڑی چپ ہوئی تھی۔ بھلا پھسلا کے ہنیہ نے اسے ایک دو بسکٹ بھی کھلا دیے تھے۔ مشی شاید درد کراتا تھک چکی تھی کہ بخار کی حدت کم ہونے کے کچھ دیر بعد ہی سو گئی تھی۔ ہنیہ نے ایک تھکی ہوئی سانس خارج کی۔

"بس جلدی سے صبح ہو تو میں اسے لے کر ڈاکٹر کے جاؤں، پتا نہیں میری بچی کو کیوں اتنا درد ہو رہا ہے۔" اس نے پیار سے سوئی ہوئی مشی کے ماتھے پہ پیار کیا اور نیب کی طرف متوجہ ہوئی جو اس کے برابر ہی بیٹھا نیند میں جھوم رہا تھا۔ وہ بے ساختہ مسکرائی۔

"کیوں نیند سے فائٹ کر رہے ہو، سو جاؤ ناں۔"

"آپ کی گودی میں سوؤں گا۔" وہ منمنایا تو ہنیہ نے اس کے گال چوم کے اسے اپنی گود میں بھر لیا۔ مشی اب بے خبر سو رہی تھی۔ ہنیہ نے گھڑی پہ نظر ڈالی، رات کے دس بج رہے تھے۔

"نو بجے کا ایپائنٹمنٹ ہے، آٹھ بجے ہی نکل جاؤں گی تاکہ ڈاکٹر کے پاس زیادہ ویٹ نہ کرنا پڑے۔" اس نے سوچا۔ یہ دس گھنٹے کتنے طویل، صبر آزما اور کٹھن ہونے والے تھے، اس کے سان و گمان میں بھی نہ تھا۔

ادھر وردیہ کی فلائٹ نے ساڑھے دس بجے کراچی میں لینڈ کیا تھا۔ اس نے ایئرپورٹ سے ہی شزا کو کال کی تھی۔ پارٹی کے شور و غل کے مزے اڑاتی شزا نے کال کاٹ کے بڑی دیدہ دلیری سے اسے میسج کیا تھا۔

"سوری..... بچوں کو سلا رہی ہوں، اسی لیے کال ریسیو نہیں کی کہ ان کی نیند نہ خراب ہو۔ کوئی ضروری بات ہے تو میں باہر نکل کے تمہیں کال بیک کر دوں؟" وردیہ نے میسج پڑھ کے فوری ریپلائے کیا۔

"ارے نہیں..... بس ایسے ہی ان دونوں کی خیریت پوچھنے کے لیے کال کر رہا تھا۔ اصل میں....."

"ہوں..... میں بھی اس وقت میں جس شدت سے تمہیں یاد کر رہی تھی تو میری دعا قبول ہو گئی اور تمہیں میری یاد ستائی ہے۔" لبوں پہ مسکراہٹ سجائے وہ تیزی سے ٹائپ کر رہی تھی، اس سے جڑ کے بیٹھی دوست نے اس صاف جھوٹ پہ اسے کہنی ماری تو وہ کھلکھلائی۔ اس کے میسج پہ نظریں دوڑاتے وردیہ کے لبوں پہ پل بھر کو مسکراہٹ جھلکی تھی۔

"میں نہیں جانتا تھا تم مجھے دعاؤں میں مانگتی ہو۔" اس نے پہلی بار شزا کے اشارے..... جھوم اٹھی تھی۔

"آئی گاڈ..... مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم بھی ایسی باتیں کر سکتے ہو، لگتا ہے آب و ہوا کا تبدیل ہونا راس آ گیا تمہیں لیکن اب بہت دن ہو گئے ہیں، واپس کب آؤ گے؟" اس نے احتیاطاً پوچھنا مناسب سمجھا، وردیہ کو جانے کیوں اسے سرپرائز دینے کا دل چاہا۔

"ابھی ایک ڈیڑھ ہفتہ اور لگے گا، بچے ٹھیک ہیں ناں، تمہیں انہیں سنبھالنے میں کوئی پرابلم تو نہیں ہو رہی؟"

"ارے نہیں یہ معصوم کیا تنگ کریں گے۔ اب بھی دونوں میرے دائیں بائیں لیٹے سو رہے ہیں، ان کی فکر نہ کرو لیکن....." اس نے اپنے آس پاس بیٹھی دوستوں کو شرارت سے دیکھا جو اس کے میسج پڑھ کر ہنس رہی تھیں۔

"لیکن..... لیکن کیا؟" وردیہ نے فوراً پوچھا۔

"بھلے تمہیں سب سے زیادہ ان کی فکر ہے لیکن یہ یاد رکھنا کہ کوئی اور بھی ہے جو جی جان سے تمہاری منتظر ہے۔" اس نے دل والا ایموجی بھیجا تو وردیہ نے ایک پل کو سوچا۔

"ڈونٹ وری، آئی ول....." کے ساتھ ایک مسکراتا ہوا اسمائلی سینڈ کر کے فون جیب میں رکھ لیا۔ اس نے سوچا کہ بارش رکنے تک ایئرپورٹ پہ ہی رک جائے لیکن موسم کے تیور سنبھلنے والے نہیں لگ رہے تھے۔ اس کی فلائٹ موسم کی وجہ سے پہلے ہی دو گھنٹے لیٹ تھی، وہ مسلسل بارہ گھنٹوں سے سفر میں تھا سو اب گھر جا کر ریسٹ کرنا چاہ رہا تھا۔ موسلا دھار بارش کے باعث سڑکوں پہ ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا لیکن راستے اتنے خراب تھے کہ اسے گھر پہنچتے ہوئے ساڑھے گیارہ بج گئے تھے۔

گھر پہنچ کے اس نے سامان کمرے میں رکھا، فریش ہو کر بچوں کے کمرے کی طرف چلا آیا۔ پورے گھر میں گہما گہمی کا راج تھا۔ وہ آہستہ سے نرسری کا دروازہ کھول کے اندر داخل ہوا تو سامنے کا منظر دیکھ کر ایک بے ساختہ مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔ شزا کروٹ لے کے لیٹی ہوئی تھی، مون اس کے کمر سے اور مشی اس کے سینے سے لپٹے بے خبر سو رہے تھے۔ وردیہ کو شزا کی اپنے لیے بے قراری یاد آئی تو وہ اسے چونکا دینے کی غرض سے دبے پاؤں چلتا بیڈ تک پہنچا اور آہستہ سے اس کے پیر کا انگوٹھا ہلایا لیکن ہڑبڑا کر اٹھ کر بیٹھتی ہنیہ کو دیکھ کر وہ بھونچکا رہ گیا جو خونخوار نظروں سے اسے گھورتی سرہانے رکھا دوپٹہ اوڑھ کے کسمساتے ہوئے مون کو دوبارہ تھپک رہی تھی۔

"آپ کو دروازہ ناک کرنے کے میز نہیں ہیں؟" اس نے تیکھے انداز میں پوچھا تو وردیہ بھی چٹخا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو..... شزا کہاں ہے؟"

"اوہ سوری مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ شزا کے روم میں رات کو بنا ناک کیے چلے جاتے ہیں۔" اس کے طنز پہ وہ بھڑک اٹھا۔

"شٹ یور ماؤتھ، باہر نکلو یہاں سے، تمہاری یہاں آنے کی ہمت کیسے ہوئی؟" بچوں کے اٹھنے کے ڈر سے وہ دھیمی آواز میں غرایا تو وہ دونوں کو خود سے الگ کرتی بستر سے نکل آئی۔ اس کا اطمینان دیکھ کر وردیہ جیسے غصے سے پاگل ہو رہا تھا جب ہی اس کا ہاتھ کھینچتا ہوا باہر لایا ہنیہ زور سے چلائی۔

"میرا ہاتھ چھوڑیں....." جواباً وردیہ بھی چیخا۔

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے تمہیں ہاتھ لگانے کا بلکہ مجھے تو تمہاری صورت سے ہی شدید نفرت ہے لیکن تم جانے کس ڈھیٹ مٹی کی بنی ہو کہ بار بار میرے سامنے آ جاتی ہو، بولو کیا مقاصد ہیں تمہارے، کیا لالچ ہے جس

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark...

کے لیے تم مجھے رجھانے کا یہ طریقہ....."

"بکواس بند کریں۔" وہ حقارت اور تنفر سے بولی۔

"میری یہاں موجودگی کا سبب صرف میرے بچے ہیں آپ جنہیں ان کی ذمہ داری سونپ کے گئے تھے پہ آپ کو بھروسہ ہوگا مجھے نہیں جب ہی ان کی دیکھ بھال کے لیے مجھے بار بار آپ جیسے قابل نفرت کردار کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔" ہنیہ کے گلے کی رگیں پھول رہی تھیں، تب ہی یہ شور سن کے فیضو بابا سرونٹ کوارٹر سے ہانپتے کانپتے پہنچ گئے تھے۔

"بابا میں نے اس کے آنے پہ پابندی لگائی تھی پھر یہ یہاں کیسے اور کیوں موجود ہے؟" درید نے ان سے درشتی سے پوچھا تو وہ گڑبڑائے۔

"بیٹا آپ میری بات سنیں....."

"اب کچھ نہیں سننا مجھے۔" وہ تیزی سے کہہ کے ہنیہ سے مخاطب ہوا۔

"گیٹ آؤٹ فرام مائی ہاؤس اگر ذرا بھی غیرت والی ہو تو آئندہ میرے گھر کی دہلیز پہ کبھی قدم نہ رکھنا۔" غضبناکی سے بولا تو ہنیہ کا چہرہ سرخ ہوا۔

"اگر آپ اسی طرح ان سے غفلت برتتے رہے تو میں جلد ہی عدالت سے رجوع کر کے ان کی کسٹڈی لے لوں گی پھر بیٹھے رہیے گا اپنے تاج محل میں، میں اس طرف تھوکوں گی بھی نہیں۔"

"یو....." درید بپھر کے اس کی طرف لپکا تو فیضو بابا نے بیچ میں آ کے اسے روکا۔

"بیٹا کیا کر رہے ہیں آپ..... یہ اسی گھر کی بچی ہیں۔"

"کوئی نہیں ہے یہ، اس گھر سے اور خاندان سے اس مازشی لالچی لڑکی کا کوئی تعلق نہیں، جاؤ یہاں سے، دیکھتا ہوں کیسے تم بچوں کی گرد کو بھی چھو سکتی ہو دفع ہو جاؤ گیٹ لاسٹ۔" وہ ہذیانی انداز میں چلایا، ہنیہ اس پہ نفرت بھری نگاہ ڈال کے بھاگتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔ بابا نے تاسف سے درید کو دیکھا۔

"بیٹا اس وقت اتنی رات کو بچی اکیلے کیسے جائے گی؟" لیکن وہ اس وقت غصے کی بھٹی میں جل رہا تھا۔

"بابا جب میں سختی سے منع کر کے گیا تھا تو پھر اسے یہاں گھسنے کیوں دیا گیا؟"

"انہیں میں نے بلایا تھا بیٹا۔" ان کی سر جھکا کی اعتراف کرنے پہ اسے جھٹکا سا لگا۔

"آپ نے؟"

"جی..... بیٹا آپ میری پوری بات ذرا دھیرج سے سنیے..... آپ کے جانے کے بعد ان معصوم بچوں کا کوئی پرسان حال نہیں تھا، آپ کی تائی اور ان کی بیٹی یہاں ہوتی ہی نہیں ہیں اور آپا ان کا بالکل خیال نہیں رکھ رہی تھی۔ بچے بھوکے رہتے تھے یا گیلے کپڑوں میں رہتے، وہ گھنٹوں نہیں بدلتی تھی۔ دو تین دن سے مشعل بٹیا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ٹھیلے بازار کی چیزیں اور نامناسب غذا کی وجہ سے پیٹ خراب ہے، بس دوائے جاری تھیں، لقمہ حلق سے نہیں اتار رہی تھیں۔ میں نے ان کی آپا سے بڑی بی بی کو بھی فون کرنے کو کہا تو آگے سے اس نے مجھے ہی چپ کروا دیا۔ میں بہت پریشان تھا کہ ہنیہ بٹی کا بچوں کی خیریت پوچھنے کے لیے فون آیا تو مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے انہیں بلا لیا۔ ان کے آنے سے کم از کم بچوں کو دھنگ کا کھانا تو نصیب ہوا، وہ بے بی کو ڈاکٹر کے بھی لے گئی تھیں۔ کل بڑے اسپتال بھی لے کر جانے والی تھیں۔"

"آپ..... آپ نے یہ سب مجھے کیوں نہیں بتایا اور وہ بھائی بی اور شہزاد بھی کہاں ہیں؟" وہ شدید برہم

لذیذ رومانی اور معاشرتی کہانیوں کا خوب صورت گلدستہ

ناول، افسانہ، سلسلہ وار کہانی، بالم مضامین، بنیادات، سفرنامہ ہر رخ ایک نیا رخ

مختلف رنگوں سے مزین ملکی، غیر ملکی ادبی اور ہر موضوع سے آراستہ کہانیوں کا مرقع

معروف اور نو آموز لکھاریوں کی کہانیوں سے سجا ایک خوبصورت ڈائجسٹ

اجالا نئے لکھنے والوں کے لیے سنہری موقع فراہم کر رہا ہے۔
اپنی کہانیاں ہمیں یونی کوڈ میں اس ای میل پر ارسال کریں۔

ujalaadigest@gmail.com

ڈائجسٹ آن لائن

https://ujaladigest.com/

مستقل کالم

لذت طعام	مزیدار کھانوں کی تراکیب	گہر نایاب	منتخب اقتباسات پر مبنی سلسلہ
ذوق سخن	غزلوں پر مبنی سلسلہ	درد دل	نظموں پر مبنی سلسلہ
ذوق نظر	اشعار پر مبنی سلسلہ	دیار آدرک	معلوماتی و تحقیقاتی مضامین

+92332-8250111

ujalaadigest.com ujaladigestofficialgroup ujaladigest ujaladigest

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

کے زیر اثر ان سے پوچھ رہا تھا۔

"پتہ نہیں بیٹا، اتنے دنوں میں وہ شاذ و نادر ہی یہاں رہی ہیں، ہاں وہ آیا بتا رہی تھی کہ شاید آج ان کے گھر کوئی بڑی دعوت ہے۔ آپ کا فون نمبر تو میرے پاس تھا نہیں..... میں نے ہبیہ بیٹی سے مانگا تو انہوں نے مجھے آپ کو فون کرنے سے روک دیا تھا۔"

"ہبیہ نے مجھے یہ سب بتانے سے آپ کو منع کیا؟" وہ چکرایا، یہ سب ہو کیا رہا تھا۔

"جی انہوں نے کہا کہ اگر وہاں آپ کو یہ سب پتا چلا تو آپ سب چھوڑ کر چلے آئیں گے، مناسب سمجھا کہ آپ ایک دفعہ میں ہی سارے کام نمٹا کے مستقلاً واپس آ جائیں بیٹا برا مت منائے گا لیکن وہ بچی اس گھر کے لوگوں کی بھی ہمدرد اور خیر خواہ ہیں اور آپ نے انہیں بھری رات کی برستی بارش میں گھر سے نکال دیا۔" وہ دل گرفتگی سے بولے لیکن دریدہ کے دماغ میں جھکڑ سے چل رہے تھے۔ وہ تیزی سے مڑا اور باہر کی طرف بھاگا۔ بابا نے اسے کافی آوازیں دیں لیکن وہ ان سنی کرتا گاڑی کی چابیاں اٹھا کے باہر نکل گیا تھا۔ وہ جلد از جلد سعدیہ کو حویلی پہنچانا چاہتا تھا۔

.....☆○☆.....

گوشہ آنکھوں کے دریچوں میں جو نم سا ہوگا
دل کی گہرائی میں رہتا ہوا غم سا ہوگا
روئے گی صبح ہمیں شام بھی مضطر ہوگی
کچھ بھٹکتی ہوئی راتوں کو بھی غم سا ہوگا
وقت کی دھوپ تو جھلسانے پہ آمادہ ہے
جاں سنبھالے ہوئے رکھے وہ جو ہم سا ہوگا
ہم سمجھ لیتے ہیں داغوں کے سلگنے پہ خلش
درد جب حد سے گزر جائے تو کم سا ہوگا

آدھی رات، طوفانی موسم، سنسان راستوں کی پروا کیے بغیر وہ مین روڈ پہ چل رہی تھی۔ وہ بہت مضبوط تھی لیکن آج ملنے والی اہانت نے جانے کیوں اس کے دل پہ پتھر رکھ دیا تھا، شاید اپنی بے وقعتی کا ہی احساس تھا جو اس کے آنسو بھی موسم کی روانی کا ساتھ دے رہے تھے۔ دل کی چبھن کو آنکھوں کے راستے بہنے کا موقع ملا تو اس نے بھی ہر مصلحت چھوڑ دی تھی۔ بری طرح روتے ہوئے وہ بالکل اکیلی روڈ کے کنارے چل رہی تھی جب سڑک پہ پانی ہونے کے باعث اس کا پیر ایک چھوٹے سے گڑھے میں پڑا تو وہ بری طرح لڑکھڑائی تھی۔ بڑی مشکل سے اس نے خود کو سنبھالا اور اطراف میں نگاہ دوڑائی۔ یہ سڑک ڈھلان کی طرح نیچے تک طرف جا رہی تھی جب ہی پانی کا ریلا بہت تیزی سے بہہ رہا تھا۔ سڑک پہ کتنی ہی ٹریفک تھی۔ ہبیہ کو اب مزید پیدل چلنا مناسب معلوم نہ ہوا جب ہی رک کر کسی ٹیکسی کا انتظار کرنے لگی۔ چند منٹ ہو گئے لیکن کوئی ٹیکسی نہیں آئی۔ وہ پوری طرح بھیگ چکی تھی۔ اس نے تھک کر فائزہ کو کال کرنے کے لیے پرس سے موبائل نکالنا چاہا تو اسے یاد آیا کہ جس طرح دریدہ نے اسے کھڑے کھڑے نکالا تھا، اس کا تو بیگ وہیں رہ گیا تھا، وہ فکر مندی سے لب کاٹتے ہوئے سوچ ہی رہی تھی کہ اب کیا کرے تب ہی ایک رکشا نما دکھائی دیا، اس نے ہاتھ دے کے روکا اور فائزہ کا ایڈریس بتا کر اس میں بیٹھ گئی۔ رکشے کی سیٹ سے ٹیک لگاتے ہی اس کے آنسو پھر سے بہہ نکلے تھے۔ اسے دریدہ کی کہی باتیں آج

شدید زک پہنچائی تھی جو بھی تھا بہر حال وہ اس کی کزن تھی، ساتھ پلی بڑھی تھی اور اس نے اپنے غصے میں وقت اور موسم کی پروا کیے بغیر اسے گھر سے نکال دیا تھا۔

فائزہ سو رہی تھی جب متواتر بجنے والی کال بیل پہ ہڑبڑا کے اٹھی، کچھ پل تو کچھ سمجھ ہی نہ آیا لیکن جب بیل مسلسل بجتی رہی تو وہ وقت دیکھتے ہوئے تیزی سے دروازے کے پاس پہنچی، رات کا ایک بج رہا تھا، اسے تھوڑا سا خوف بھی آیا جب ہی آئی ہول سے جھانکا تو بری طرح بھیگی ہوئی نڈھال سی ہبیہ کو دیکھ کے اسے جیسے کرنٹ سا لگا اس نے تیزی سے دروازہ کھولا۔

"ہبیہ..... مائے گاڈ..... یہ تم..... اس وقت..... تمہارا حال کیا ہو رہا ہے؟" پریشانی سے اس کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔

"گیٹ کے باہر رکشے والا کھڑا ہے، پلیز گارڈ کے ہاتھ اسے کرایہ بھجوا دو۔" وہ بھرائی بوجھل سی آواز میں کہتی اندر بڑھی تو فائزہ نے تا بھی سے اسے دیکھتے ہوئے بلڈنگ کے گارڈ کو انٹرکام کر کے بلایا، اسے پیسے دیے کہ وہ رکشے والے کو دے دے، جلدی جلدی دروازہ لاک کیا اور ہبیہ کے کمرے میں پہنچی، وہ اسی وقت واش روم سے چینج کر کے نکلی تھی۔

"ہبیہ اللہ کا واسطہ ہے کچھ تو بتاؤ، تمہاری حالت دیکھ کے میرا دل بند ہو رہا ہے۔" فائزہ کا تشویش کے مارے برا حال تھا لیکن ہبیہ اس وقت ایک لفظ بھی بولنے کی چاہ نہیں رکھتی تھی۔

"ہبیہ..... پلیز یار..... مجھے برے برے خیالات آ رہے ہیں، تم تو گھر گئی تھیں ناں پھر اس طرح اس وقت واپس....." انجانے میں ہی اس نے ہبیہ کے دل پہ کیل ٹھونکی تھی، اس کے لب ہلے۔

"واپس..... واپس نہیں آئی ہوں نکال دی گئی ہوں..... گھر ہی سمجھ کے گئی تھی لیکن اس گھر کے مالک نے مجھے منٹوں میں میری اوقات یاد دلا کر سڑک پہ کھڑا کر دیا۔" اس کی مبہم باتوں سے زیادہ اس کے سنجیدہ انداز پہ فائزہ کا دل گھبرا رہا تھا، اس نے قریب ہو کر پیار سے اس کا ہاتھ تھاما۔

"کیا ہوا ہے ہبیہ، دریدہ بھائی نے کچھ کہا ہے کیا؟ وہ واپس آ گئے اور تم....." اور وہ جیسے ٹوٹی ٹہنی کی طرح اس کے گلے لگ کے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"میں تو بچوں کے لیے گئی تھی ناں فائزہ، تم جانتی ہو ناں تو پھر ایسا کیا گناہ ہو گیا مجھ سے جو اس شخص نے مجھے اتنا ذلیل کیا، کیا قصور ہے میرا جو وہ زندگی بھر سے صرف میری تحقیر میں ہی تسکین پاتا ہے، میں نے کیا بگاڑا ہے دریدہ ابراہیم کا..... کیا بگاڑا ہے؟" وہ مچل مچل کر رو رہی تھی، فائزہ کو اسے سنبھالنا مشکل ہونے لگا تھا۔

"ارے یار کیا ہو گیا ہے تمہیں، ایسے تھوڑی ہمت ہارتے ہیں، تم جانتی ہو ناں دریدہ بھائی غصے کے کتنے تیز ہیں اور پھر تم سے تو ان کی کبھی بنی ہی نہیں۔ تو اسی وجہ سے الٹا سیدھا بول دیا ہو گا تم خود کو اتنا مت ہلکان کرو۔"

"پتا نہیں فائزہ مجھے آج اپنا آپ اتنا ہلکا، بے وقعت، بے مصرف لگ رہا ہے کہ الفاظ میں نہیں بیان کر سکتی۔" اس نے سسکی بھری۔

"ہم تو جانور کو بھی بھیگتا دیکھ کر اس پہ چادر ڈال دیتے ہیں اور اس نے بنا کوئی لحاظ کیے مجھے گھر سے نکال دیا۔ رشتے دار نہیں تو کم از کم انسان ہی سمجھ لیتا۔ اس اندھیری رات میں تنہا سڑک پہ چلتی میں یہی سوچ رہی تھی کہ اگر مجھے ابھی کچھ ہو جائے، کوئی حادثہ پیش آ جائے تو میری تو لاش بھی جانے کسی کو ملے یا نہیں کیوں زندہ ہوں میں؟ میرے نہ رہنے سے بھی دنیا کو کیا فرق پڑے گا جب.....

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.

"بری بات ہے ہنیہ۔" فائزہ نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے اسے ٹوکا۔

"اس کا مطلب ہے تمہاری نظر میں میری محبت کی کوئی قدر نہیں....."

"ہاں..... میں، مشعل، منیب..... ہمارے لیے تم کتنی اہم ہو کیا یہ بتانے کی ضرورت ہے؟ درید بھائی تو سالوں سے اندھی کوٹھڑی میں قید ہیں جس کے اطراف میں شک اور نفرت کے ایسے جالے بنے ہوئے ہیں کہ وہ اس کے پار فی الحال کچھ بھی دیکھنے سے قاصر ہیں تو ان سے کسی نرمی یا رحم دلی کی امید لگانا ہی فضول ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اس طرح خود اپنی نفی پہ اتر آؤ۔ تم ہمارے لیے بہت قیمتی ہو میری جان، خبردار جو آئندہ کسی کی باتوں میں آ کر اپنے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے تو....." فائزہ نے اسے پیار سے ڈپٹتے ہوئے اس کے بال سنوارے۔

"تم بیٹھو، میں چائے بنا کے لاتی ہوں، تمہاری تھکن بھی اترے گی اور....."

"نہیں یار بالکل دل نہیں چاہ رہا بلکہ تم اب سو جاؤ میں ٹھیک ہوں تمہاری نیند بھی خراب کر دی میں نے۔"

"ارے چلتا ہے، اچھا چائے نہیں پی رہیں تو پھر فوراً سونے کی کر لو، کل صبح مشی کو چیک اپ کے لیے اسپتال بھی لے کر جانا ہے ناں۔"

"ہوں صحیح کہہ رہی ہو لیکن....." اسے بے چین سا دیکھ کے فائزہ نے پوچھا۔

"لیکن کیا؟"

"پتا نہیں میرا دل بہت گھبرا سا رہا ہے۔ مشی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ مجھے خیال آ رہا ہے کہیں اٹھ کر پریشان نہ ہو، میں کال کر کے پوچھ لوں؟"

"لیکن رات کے دو بج رہے ہیں، سب سو رہے ہوں گے ان شاء اللہ صبح چلتے ہیں ناں، درید بھائی سے میں بات کرنے کی کوشش کروں گی۔"

"نہیں..... مجھ سے صبح کا انتظار نہیں ہو گا۔" ہنیہ نے بے چینی سے سینہ مسلا۔

"کال کرتی ہوں، کوئی نہیں اٹھائے گا تو مجبوری ہے۔" اس نے فائزہ کے فون سے احمد پیلس کا نمبر ملایا اور حیرت انگیز طور پہ تیسری ہی بیل پہ کال ریسیو ہو گئی تھی، اسے فیضو بابا کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ہیلو..... ہیلو..... درید بیٹا۔" ان کی بدحواسی پہ ہنیہ کا دل ڈوب کر ابھرا۔

"بابا..... میں ہنیہ بات کر رہی ہوں، سب خیریت ہے؟"

(آخری قسط آئندہ ماہ)

parhlo.com.pk

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.